فتنۂ تکفیر

مولٰنا شبلی و مولٰنا حمید الدین پر تکفیر کا فتویٰ اور اس پر ایک نظر

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنے جو احسانات گنائے ہیں، ان میں نعمت ہدایت کے بعد سب سے بڑی نعمت اس رابطۂ الفت و محبت کو قرار دیا ہے جو ایمان و اسلام کے رشتہ سے تمام مسلمانوں کے درمیان قائم کیا گیا ہے:۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا (آل عمران)

اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط تھامے رہو اور پراگندہ نہ ہو اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر نازل کی کہ تم آپس میں دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا پھر تم بھائی بھائی بن گئے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حبل اللہ فرمایا ہے وہ یہی ایمان و اسلام کا رشتہ ہے مختلف النسل، مختلف اللون، مختلف اللسان اور مختلف الاوطان لوگوں کو، جن کے درمیان عداوت کے بیسیوں اسباب موجود تھے، اسی حبل اللہ نے ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کر کے ایک قوم بنایا ہے، اور اس قوم کی فلاح و بہبود ہی نہیں بلکہ اس کا عین بقا اس پر منحصر ہے کہ اس کے افراد کے درمیان محبت اور اخوت اور معاونت کا یہ رشتہ نہ صرف قائم بلکہ خوب مضبوط اور مستحکم رہے۔ دوسری قوموں کے افراد کو خون کے رشتے ایک دوسرے سے ملاتے ہیں، زبان کی وحدت، رنگ کی یکسانی، وطن کی موافقت ایک دوسرے سے جوڑ کر ایک قوم بناتی ہے لیکن اسلام میں قومیت کا رابطہ بجز رابطۂ دینی کے اور کوئی نہیں ہے۔ ادھر یہ رابطہ ٹوٹا اور ادھر تمام افراد اس طرح بکھر گئے جیسے تسبیح کا

ڈورا ٹوٹتے ہی تمام دانے بکھر جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں رابطۂ دینی کی حفاظت کے لیے بڑی تاکید کی گئی ہے اور اس پر حملہ کرنے والے کو سخت مجرم ٹھیرایا گیا ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (النساء - ۱۳)

جو شخص (اظہار اسلام کے لیے) تم کو سلام کرے اس کو نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:-

ایما رجل قال لاخیہ یا کافر فقد باء بھا احدھما (بخاری)۔

جس نے اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہا تو ضرور ہے کہ یہ قول ان دونوں میں سے ایک پر پڑے گا۔

لا یرمی رجل رجلًا بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذالک (بخاری)۔

ایک شخص جب دوسرے شخص پر فاسق یا کافر ہونے کا الزام لگائے گا درانحالیکہ وہ شخص ایسا نہ ہو تو یہ قول خود کہنے والے پر پلٹ جائے گا۔

من دعا رجلًا بالکفر او قال عدو اللہ ولیس کذالک الا حار علیہ (مسلم)

جس نے کسی کو کافر کہا یا اللہ کا دشمن کہا درانحالیکہ وہ ایسا نہیں ہے تو یہ قول خود قائل پر ہی پلٹ جائیگا

من لعن مومنًا فھو کقتلہ ومن قذف مومنًا بکفر فھو کقتلہ (بخاری)۔

جس نے کسی مومن پر لعنت کی اس نے گویا اسے قتل کیا اور جس نے کسی مومن پر کفر کی تہمت لگائی اس نے گویا اسے قتل کیا۔

ان احکام کا منشا یہ ہے کہ مومن کو کافر کہنے میں اتنی ہی احتیاط کرنی چاہیے جتنی کسی شخص کے قتل کا فتویٰ صادر کرنے میں کی جاتی ہے۔ بلکہ یہ معاملہ اس سے بھی زیادہ سخت ہے کسی کو قتل کرنے سے کفر میں مبتلا ہونے کا خوف تو نہیں ہے مگر مومن کو کافر کہنے میں یہ خوف بھی ہے کہ اگر فی الواقع وہ شخص کافر نہیں ہے اور اس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان موجود ہے، تو کفر کی تہمت خود الٹ کر کہنے

اور پلٹ آئے گی۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ کا خوف اپنے دل میں رکھتا ہو، اور جس کو اس کا کچھ بھی احساس ہو کہ کفر میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ کتنا بڑا خطرہ ہے، وہ کبھی کسی مسلم کی تکفیر کی جرأت نہیں کر سکتا تاوقتیکہ اسے خوب چھان بین کرنے کے بعد اس کے مبتلائے کفر ہو جانے کا پورا علم نہ ہو جائے۔ اس باب میں احتیاط کی حد یہ ہے کہ جس شخص کے طرز عمل سے صاف طور پر نفاق ظاہر ہو رہا ہو، جس کا حال صاف بتا رہا ہو کہ وہ دل سے مسلمان نہیں ہے، وہ بھی اگر کلمہ اسلام اپنی زبان سے پڑھ دے تو اسے کافر کہنا اور اس کے ساتھ کافر کا سا معاملہ کرنا جائز نہیں۔ ایک مرتبہ ایک سریہ میں ایک شخص نے مسلمانوں کو دیکھ کر کہا السلام علیکم لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ ایک مسلمان نے یہ گمان کر کے اسے قتل کر دیا کہ اس نے محض جان بچانے کی خاطر کلمہ پڑھا ہے۔ ظاہر حال کے لحاظ سے یہ گمان کرنے کی معقول وجہ بھی موجود تھی، کیونکہ جنگ کا موقع تھا، تلواریں کھنچی ہوئی تھیں۔ کچھ بعید نہ تھا کہ اس مقتول کے دل میں درحقیقت ایمان نہ ہو، اور اس نے کلمہ کو محض جان بچانے کے لیے ڈھال بنانا چاہا ہو۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ غضبناک ہوئے اور سختی کے ساتھ اس مسلمان سے باز پرس کی۔ اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس نے تو محض ہماری تلوار سے بچنے کے لیے کلمہ پڑھ دیا تھا۔ آپ نے جواب میں فرمایا ھلا شققت عن قلبہ "کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟" مطلب یہ ہے کہ تمہارا کام دلوں کا ٹٹولنا نہیں ہے۔ یہ حقیقت تو خدا ہی جانتا ہے کہ کس کے دل میں ایمان ہے اور کس کے دل میں نہیں۔ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى۔ تم صرف ظاہر کو دیکھ سکتے ہو۔ اور ظاہر میں جب ایک شخص اسلام کا اظہار کرے تو تمہیں کوئی حق نہیں کہ تاویلات سے اس کو کافر ٹھیراؤ اور اس کے ساتھ کفار کا سا معاملہ کرو۔

رشتۂ دینی کے احترام کی اتنی سخت تاکید اور اس کو قطع کرنے پر ایسی سخت وعید اسی لیے

ہے کہ جو شخص مسلمان کی تکفیر کرتا ہے وہ در اصل اللہ کی اُس رسّی پر قینچی چلاتا ہے جس کے ذریعہ سے مسلمانوں کو جوڑ کر ایک قوم بنایا گیا ہے۔ اگر اسی طرح سے بات بات پر یہ حبل اللہ کاٹی جانے لگے تو ساری امتِ مسلمہ منتشر ہو کر رہ جائے گی، مسلمانوں کے درمیان محبت اور تعاون اور معاشرت اور ہمدردی کے تمام تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ اور ایک مرتبہ پھر یہ قوم آتش عداوت کے اسی گڑھے پر کھڑی نظر آئے گی جس سے اللہ نے اس کو نکالا تھا۔ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا۔

یہی وجہ ہے کہ متقی اور محتاط اہل علم نے ہمیشہ تکفیر اہل قبلہ میں سخت احتیاط برتی ہے۔ انہوں نے جن لوگوں کو اپنی تحقیق میں گمراہ سمجھا ان کے خیالات اور عقائد کی تردید نہایت جرأت سے کی۔ کسی کے اقوال و افعال کو اگر اپنے نزدیک کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے خلاف پایا تو اس کا سختی کے ساتھ ابطال کیا۔ جن مقالات میں ان کو کفر و الحاد کی جھلک نظر آئی ان کے متعلق برملا کہا کہ یہ کافرانہ اور ملحدانہ مقالات ہیں۔ جن افعال میں شرک و کفر کے نشانات محسوس ہوئے ان کے متعلق صاف صاف کہہ دیا کہ یہ مشرکانہ اور کافرانہ اعمال ہیں لیکن ضلالت کو ضلالت اور کفر کو کفر اور شرک کو شرک کہنے میں خواہ کتنی ہی جرأت انہوں نے ظاہر کی ہو، مگر ان افعال و اقوال کا ارتکاب کرنے والوں کو کافر یا "مشرک" کہدینے میں انہوں نے کبھی جرأت سے کام نہیں لیا۔[1] وہ

---

[1] یہاں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ کسی شخص کا کافر یا ملحد یا مشرک ہونا اور چیز ہے اور اس کے اقوال یا افعال میں کفر یا الحاد یا شرک ہونا اور چیز۔ انسان کو کافر اس وقت کہا جا سکتا ہے جب کہ وہ اصول دین میں سے کسی اصل کا قطعی منکر ہو جائے۔ اسی طرح وہ ملحد اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ وہ حق تعالیٰ کو ماننے سے صاف انکار کر دے۔ اسی طرح وہ مشرک اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ وہ الوہیت میں دوسرو ںکو شریک ٹھیرانے کا صریح طور پر اظہار کرے۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ ایک شخص کے غالب اعتقادات و اعمال اسلام کے مطابق ہوں اور کسی جزیہ میں اسکی کسی بات سے کفر یا شرک یا الحاد لازم آتا ہو۔ یہی چیز ہے جس کو کفر دون کفر سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسکی بنا پر کسی کو کافر کہنا جائز نہیں۔

اس خیال سے کانپ اٹھتے تھے کہ کہیں کسی ایسے شخص کو کافر یا مشرک قرار نہ دے بیٹھیں جو حقیقت میں صاحب ایمان ہو۔ اس لیے جس کلمہ گو کے خیالات میں ان کو کفر و الحاد یا شرک کی جھلک نظر آتی تھی اس کے خیالات کی تردید تو کر دیتے تھے، اور نہ صرف اس کی تفہیم کرتے تھے بلکہ عام مسلمانوں کو بھی اس کے خیالات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے تھے، مگر جب خود اسے کافر یا مشرک قرار دینے کا سوال سامنے آتا تو وہ بعید سے بعید تاویل کر کے بھی اس کو دائرۂ اسلام میں رکھنے کی کوشش کرتے، اور اس وقت تک دین سے خروج اور سلب ایمان کا حکم نہ لگاتے جب تک کہ صریح کفر کا اظہار نہ ہو، ایسا صریح کفر جس میں کسی تاویل کی گنجائش ہی نہ ہو۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک ایسے شخص کا معاملہ پیش کیا گیا جو کہتا تھا کہ کوئی کافر دوزخ میں نہ جائے گا۔ امام صاحب کے تلامذہ نے بے تکلف فتویٰ دے دیا کہ یہ شخص کافر ہو گیا کیونکہ یہ قرآن کی تکذیب کر رہا ہے۔ مگر امام صاحب نے فرمایا کہ تکفیر میں جلدی نہ کرو۔ کیا اس کے قول کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی؟ شاگردوں نے عرض کیا کہ ایسے صریح قول کی کیا تاویل ہو سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کی ایک تاویل ممکن ہے۔ شاید اس کا خیال یہ ہو کہ جب حشر میں انسان اپنی آنکھوں سے حقیقت کو دیکھ لے گا تو وہ کافر نہ رہے گا بلکہ مومن ہو جائیگا۔ رہا یہ امر دیگر ہے کہ اس وقت کا ایمان نافع نہیں ہے، کیونکہ وہ ایمان بالغیب نہیں، ایمان بالشہادۃ ہے۔ مگر اس سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ دوزخ میں جانے سے پہلے وہ خدائے واحد کی الوہیت کا مقر ہو چکا ہو گا۔ اس لحاظ سے جو شخص کہتا ہے کہ کوئی کافر دوزخ میں نہ جائے گا اس کی مراد یہ نہیں ہے کہ جن لوگوں نے اس دنیا میں کفر کیا ہے وہ دوزخ میں نہ جائیں گے؛ بلکہ اس کی مراد مطلقاً کفر سے ہے، یعنی بحالت کفر کوئی شخص دوزخ میں داخل نہ ہو گا۔ یہ ایک حق بات ہے پھر اس کے قائل کو تم کافر کیسے کہہ سکتے ہو؟

یہ مسلک تھا سلف صالحین کا۔ اور یہ صرف تقویٰ اور خشیت الٰہی کی بنا پر ہی نہ تھا، بلکہ

عقل اور تدبر کا مقتضیٰ بھی یہی تھا۔ ظاہر ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، توحید و رسالت کا قائل ہے اور قرآن کو کتاب اللہ تسلیم کرتا ہے، اس کے متعلق بادی النظر میں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ قصداً کفر کی نیت سے کوئی ایسی بات کہے گا جو عقیدۂ توحید کے خلاف ہو یا رسالت کی مکذب ہو، یا قرآن سے معارض ہو۔ اس قسم کی کوئی بات اگر ایک کافر کے قلم یا زبان سے نکلے تب تو ہم اس کو نیت کفر ہی پر محمول کریں گے، کیونکہ اس سے کفر ہی کی توقع کی جا سکتی ہے۔ لیکن ویسا ہی قول اگر ایک مسلمان کی زبان سے نکلے تو ہم بہت ہی جلد باز ہوں گے اگر اس کے قول کو بھی اسی طرح نیت کفر پر محمول کر دیں۔ کیونکہ ایک مسلمان سے نیت کفر کی توقع نہیں کی جاتی۔ بہت ممکن ہے کہ اس کا قول قرآن کی تعلیم سے معارض ہوتا ہو مگر اس کی نیت قرآن سے معارضہ کرنے کی نہ ہو، یا اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے جو کچھ کہا ہے وہ قرآن کے خلاف ہے، یا اس نے کسی ایسے معنی میں وہ بات کہی ہو جو درحقیقت قرآن کے خلاف نہیں ہے۔ پھر کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ ہم ایک ایسے شخص کو جو قرآن پر ایمان رکھنے کا اقرار کر رہا ہے، محض ایک ظاہری تعارض کی بنا پر منکر قرآن ٹھیرا دیں؟ اگر ہم خود اس کی کوئی تاویل نہ کر سکتے ہوں تو ہمیں اس سے یا اس کے ہم خیال لوگوں سے پوچھنا چاہیے کہ تمہارے اس قول کا مراد حقیقی کیا ہے، اور اس کے جواب میں اگر وہ کوئی تاویل ایسی پیش کریں جو قرآن سے صریحاً معارض نہ ہوتی ہو، تو اس کو تسلیم کر لینا چاہیے نہ یہ کہ خواہ مخواہ کھینچ تان کر اسے خلاف قرآن ہی ثابت کیا جائے اور ایک ایسے شخص کو زبردستی منکر قرآن ہی قرار دیا جائے جو خود قرآن کے کتاب اللہ ہونے اور اس پر ایمان رکھنے کا اقرار کر رہا ہے۔

کفر اور ایمان کا امتیاز جن امور سے ہوتا ہے ان کی تصریح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرما دی ہے۔ جو شخص خدا کی وحدانیت اور اس کی اُن صفات کا قائل ہے جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں

اور جو شخص ملائکہ اور کتب آسمانی، اور انبیا علیہم السلام کی نبوت اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت، اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے، اور یوم الآخر کے برحق ہونے پر اس طریقہ سے ایمان لاتا ہے جس کا اظہار قرآن مجید میں کر دیا گیا ہے، وہ بہرحال مومن ہے، خواہ کلام اور فقہ کے اعتبار سے اس کا مذہب جمہور کے مذہب سے کتنا ہی مختلف ہو۔ تفصیلات اور فروع میں اگر اس کی رائے غلط ہو اور کسی مسئلے یا بعض مسائل میں وہ ضلالت کی حد تک بھی پہنچ جاتا ہو تو آپ اس کی تردید کر سکتے ہیں مگر محض اس بنا پر اس کی تکفیر نہیں کر سکتے کہ اس کی تاویل آپ کی تاویل کے خلاف ہے، یا منطقی اسلوب پر اس کے مقدمات کو مرتب کرنے سے کفر یا الحاد یا زندقہ کا نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایک شخص عالم کو حادث نہیں مانتا اور مادہ کو قدیم کہتا ہے تو آپ محض اس قول کی بنا پر اسے کافر کہنے کا حق نہیں رکھتے۔ کیونکہ اللہ اور اس کے رسول نے حدوث اور قدم کی بحث سرے سے چھیڑی ہی نہیں ہے۔ آپ نے خود یہ اصطلاحات وضع کی ہیں، ان کا ایک خاص مفہوم مقرر کیا ہے، اور منطقی استدلال سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ عالم کو قدیم کہنے سے خدا کا انکار لازم آتا ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ کوئی شخص آپ کی اس اصطلاح اور اسکے اس خاص مفہوم پر ایمان لائے۔ اور نہ یہ ضروری ہے کہ عالم کو قدیم کہنے سے جو کچھ آپ کے نزدیک لازم آتا ہے وہی اس کے نزدیک بھی لازم آئے اور وہی اس کی مراد بھی ہو۔ جو شخص عالم کو قدیم کہتا ہے آپ اس سے پوچھیے کہ تو خدا کو عالم اور مادۂ عالم کا خالق مانتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ کہے کہ مانتا ہوں تو آپ کو تسلیم کرنا چاہیے کہ وہ مومن ہے، اور اس کے نزدیک قدم کا وہ مفہوم نہیں ہے جو آپ نے اپنے ذہن میں قرار دیا ہے، اور اس قول سے جو کچھ آپ کے نزدیک لازم آتا ہے وہ اس کے نزدیک لازم نہیں آتا، نہ اس لزوم کا وہ قائل ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اس کی اصطلاح غلط ہو۔ ہوسکتا ہے کہ منطقی حیثیت سے اللہ کے مبدع عالم ہونے اور عالم کے قدیم ہونے میں کھلا ہوا

تعارض ہو اور منطق کی نگاہ میں ان دونوں متعارض باتوں کو جمع کرنے والا ایک فاتر العقل انسان قرار پائے۔ مگر دین کی نگاہ میں اس کو کافر اور مسلوب الایمان ٹھیرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ خدا نے اس کو حدوث عالم پر ایمان لانے کا مکلف نہیں فرمایا ہے بلکہ خدا کی خالقیت اور مُبدعیت پر ایمان لانے کی تکلیف دی ہے۔ اس بات کو جب وہ مانتا ہے تو آپ کون ہیں کہ اس کو اپنے مسائل کلامیہ پر ایمان لانے کا مکلف ٹھیراتے ہیں؟

اسی پر دوسرے مسائل کو بھی قیاس کر لیجیے۔ یہاں اس کا موقع نہیں کہ تفصیل کے ساتھ ایک ایک مسئلہ کو لے کر بحث کی جائے۔ ہم دراصل اس قاعدۂ کلیہ کی توضیح کرنا چاہتے ہیں کہ کسی مسلمان کو تاویل اور منطقی استنتاج سے کافر بنانا جائز نہیں ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں ہو سکتا کہ ایک مسلم کی زبان سے کوئی فقرہ سن کر ہم اپنے طور پر اس کا صغریٰ کبریٰ قائم کریں، پھر خود ہی ایک حدا وسط لگائیں اور اس سے ایک نتیجہ نکال کر کہیں کہ وہ شخص دراصل اس نتیجہ کا قائل ہے اور یہ نتیجہ کفر ہے، لہٰذا وہ کافر ہے۔ یہ وہی ظالمانہ فعل ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی کے ساتھ منع فرمایا تھا۔ جنگ کے موقع پر السلام علیکم لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والے کو جن صحابی نے قتل کیا تھا انہوں نے بھی یہی تو کیا تھا کہ منطقی استدلال سے اُسکی نیت معلوم کرنے کی کوشش کی، اور یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ اس نے جھوٹے دل سے کلمہ پڑھا ہے۔ مگر حضورؐ نے فرمایا کہ تونے اس کا دل تو چیر کر نہیں دیکھا تھا۔ اس کا کلمہ پڑھنا بہرحال دو معنی کا محتمل تھا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ درحقیقت مسلمان ہو گیا ہو اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ دھوکہ دے رہا ہو۔ آگے چل کر خود اس کے فعل سے یہ متحقق ہو جاتا کہ ان دونوں احتمالات میں سے کونسا احتمال صحیح ہے۔ مگر تیرے پاس علم کا کونسا ذریعہ تھا جس سے تونے حتماً و جزماً ایک احتمال کو ساقط کر کے فیصلہ کر دیا کہ دوسرا احتمال ہی صحیح ہے، اور اس فیصلہ پر اعتماد کر کے ایک ایسے شخص کو کافر قرار دیدیا

جو ایمان کا اقرار کر رہا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم کو جن لوگوں نے سمجھا تھا، اور جو اللہ کی پکڑ کا خوف اپنے دل میں رکھتے تھے، وہ کبھی مسلمانوں کو کافر بنانے کے لیے حجتیں نہیں ڈھونڈتے تھے۔ بلکہ انہیں یہ فکر رہتی تھی کہ کافروں کو کسی طرح مسلمان بنائیں۔

مگر افسوس کہ متأخرین نے اس معاملہ میں سہل انگاری کی حد کر دی ہے۔ کفر اور الحاد اور زندقے کے ٹھپّے بنا کر ہر عالم کے قلمدان میں رکھدیے گئے ہیں۔ اُدھر کسی مسلمان کے قلم یا زبان سے ان کے مشرب کے خلاف کوئی بات نکلی اور ادھر شرح مقاصد اور شرح فقہ اکبر اور النبراس اور الفرق بین الفرق، اور شرح الشفاء کی ورق گردانی کر کے جزئیات کی تلاش شروع کر دی گئی، اور جس جزئیہ کی زد میں وہ شخص آگیا اسی کے مطابق تین چار ٹھپّوں میں سے کوئی ایک ٹھپّہ اس پر لگا دیا گیا۔ اس کے بعد وہ شخص کافر، اس کو کافر نہ ماننے والا کافر، اس کا خون اور اس کا مال مباح، اس کی جورو پر طلاق، اس کے بچے اولاد الحرام، اور تمام مسلمانوں سے نہ صرف اس کے بلکہ اس کو کافر نہ ماننے والوں تک کے تعلقات بھی منقطع۔ گذشتہ چند صدیوں میں یہ تکفیر کا فتنہ اس قدر عام ہوا ہے کہ شاید ہی مشاہیر امّت میں سے کوئی ایسا شخص بچا ہو گا جس کو کسی نہ کسی گروہ نے کافر نہ ٹھیرایا ہو۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے دل ایک دوسرے سے پھٹ گئے۔ پہلے کفار اور منافقین کی شان یہ تھی کہ تحسبھم جمیعًا و قلوبھم شتّٰی۔ مگر اس کفر بازی کی بدولت وہی حال مسلمانوں کا ہو گیا۔ ان کی جمعیت پراگندہ ہو گئی۔ وہ الفت، وہ اتحاد، وہ ہمدردی، وہ تعاون جس سے اللہ نے نعمت ایمان کے ساتھ اس قوم کو سرفراز کیا تھا، سب رخصت ہوا۔ اور ایک مرتبہ پھر یہ قوم اُسی آگ کے گڑھے پر پہنچ گئی جس سے اس کو نکالا گیا تھا۔

اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ علمائے دین میں کافروں کو مسلمان بنانے کا اتنا ذوق نہیں جتنا

مسلمانوں کو کافر بنانے کا ذوق ہے۔ اچھے خاصے مسلمان جو ضروریاتِ دین کے قائل ہیں جن کے قول اور عمل سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ نہ صرف ما جاء بہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں بلکہ ذاتِ محمدی کے عاشق ہیں دینِ محمدی کے پرستار ہیں مسلمانوں کے خیرخواہ اور ملتِ اسلامیہ کے دردمند ہیں، مگر صرف اس بات کے قصوروار ضرور ہیں کہ بعض جزئی و فروعی مسائل میں انہوں نے علماء سے اختلاف کیا ہے، ان کو سزا دینے کا یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ان کی تحریروں میں سے چند فقرے سیاق و سباق سے الگ کر کے نکالے جاتے ہیں، پھر ان منتشر فقروں کو جوڑ کر تاویل القول بما لا یرضیٰ بہ قائلہ کے طریق پر ان کو ایسے معنی پہنائے جاتے ہیں جو خود قائل کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں ہوتے، بلکہ جن کی تردید خود قائل اپنی دوسری تحریروں میں کر چکا ہوتا ہے۔ قائل بیچارہ کہتا ہے کہ حاشا و کلا میرا مقصود یہ نہیں ہے، مگر یہ کہتے ہیں کہ نہیں ہم تیرا دل چیر کر دیکھ چکے ہیں۔ تیرا یہی مقصود ہے، اور منطقی اسلوب پر تیرے مقدمات کو ترتیب دینے سے قطعاً وہی نتیجہ نکلتا ہے جو ہم نے نکالا ہے، اور ہم کو یقین ہے کہ تو اسی نتیجہ کا قائل ہے، لہٰذا تو کافر ہے، زندیق ہے، ملحد ہے، اور جو تجھے ایسا نہ سمجھے وہ بھی کافر ہے، اور جو کسی قومی کام میں تیری اعانت کرے وہ فعلِ حرام کا مرتکب ہے۔

یہ طریقہ ہے ان حضرات کا جو علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کے مصداق سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تو ضرور پائی، مگر اس میراث میں تصرف کا جو طریقہ اختیار کیا وہ مورث علیہ وعلیٰ آلہ السلام کے خلاف ہے۔ مورث نے یہ میراث اس طرح جمع کی تھی کہ گالیاں اور پتھر کھا کھا کر غیروں کو اپنا بنایا تھا۔ مگر یہ اس میراث کو اس طرح لٹا رہے ہیں کہ اپنوں کو زبان و قلم کے تیر اور پتھر مار مار کر غیر بناتے ہیں۔ اُس ذاتِ پاک کو رات دن یہ فکر تھی کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو اس کو ڈھونڈھ کر نکالیں اور

سینے سے لگالیں۔ مگر ان کو نورِ ایمان کی نہیں، ظلمتِ کفر کی تلاش ہے۔ ایک شخص کی ساری زندگی اس کے ایمان پر گواہی دیتی ہے، اس کے تمام اقوال و افعال اس کے اسلام پر شہادت دیتے ہیں۔ مگر یہ ان کو نہیں دیکھتے۔ اس کی تحریروں میں سے صرف چند منتشر فقرے نکال کر اگر کوئی ظالم ان سے استفتا کرتا ہے تو یہ کسی تحقیق و تفتیش کے بغیر نہ صرف اس کو بلکہ اس کے کثیر التعداد متبعین اور اعوان و انصار کو بھی جو سب کے سب اللہ کی مضبوط رسی میں بندھے ہوئے تھے، مقراضِ افتاء کے ایک ہی وار سے کاٹ کر ملتِ اسلامیہ سے نکال پھینکتے ہیں۔ گویا ہزاروں مسلمانوں کو بیک جنبشِ قلم کافر بنا دینا کوئی ایسی بات ہی نہیں ہے جس میں کسی احتیاط اور تامل کی ضرورت ہو، اور جس کی تحقیق میں چند ساعتوں کی محنت بھی گوارا کرنا ضروری ہو۔

یہ معاملہ ایک دو کے ساتھ نہیں بیسیوں اکابرِ اسلام کے ساتھ پیش آچکا ہے۔ مولانا اسمٰعیل شہید اور ان کے ساتھ لاکھوں مسلمانوں کو اسی طرح کافر بنایا گیا۔ مولانا محمد قاسم کی تحریروں میں بڑی محنت اور تکلف سے کفر کو تلاش کیا گیا اور نہ صرف انکو بلکہ پوری جماعت دیوبند کو نعمتِ ایمان سے محروم کر دیا گیا۔ سید احمد خاں اور محسن الملک اور حالی اور ان کی پوری جماعت کا رشتہ اسی طرح امتِ مسلمہ سے قطع کر ڈالا گیا۔ مولانا عبد الحی فرنگی محلی اور مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا محمود الحسن اور خدا جانے کن کن کو اسی طرح خلود فی النار کا مستحق بنایا گیا۔ مدت العمر ان لوگوں نے نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، فرائضِ دینی کو نہایت اہتمام سے ادا کیا، دین کی نہ صرف خود پابندی کی بلکہ اس کی تبلیغ اور اعداءِ دین کے مقابلہ میں اس کی حفاظت کے لیے جانیں لڑا دیں، مگر ان میں سے کوئی چیز بھی مفتیوں کی نگاہ میں قابلِ لحاظ نہ تھی۔ لحاظ کے قابل اگر کچھ تھا تو وہ چند الفاظ یا چند فقرے جن کو توڑ مروڑ کر کفر کے سانچے میں ڈھالا جا سکتا تھا۔ کیونکہ دراصل انھیں کافر بنانے ہی کی ضرورت تھی۔ ان کا ایمان مطلوب ہی نہ تھا۔ مسلمانوں کے

جم غفیر کو دیکھتے دیکھتے مفتیوں کے دل بھر چکے تھے اب اس بھیڑ کو چھانٹنے اور کفار کے غول در غول دیکھنے کو دل چاہتا تھا۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسا ذوق اشاعتِ اسلام سے تھا، ویسا ہی ذوق اب آنحضور کے جانشینوں کو اشاعت کفر سے ہو گیا ہے۔ وہ وقت گیا جب یدخلون فی دین اللہ افواجاً کا نظارہ دیکھ کر دل ٹھنڈا ہوتا تھا اب تو یخرجون من دین اللہ افواجاً ہی کے منظر سے آنکھوں میں نور اور دل میں سرور آتا ہے!

ارادہ یہ تھا کہ اس تازہ فتوے پر کچھ لکھا جائے جس میں مولانا شبلی نعمانی اور مولانا حمید الدین فراہی رحمہما اللہ کی تکفیر کی گئی ہے۔ مگر دل کے درد اور روح کے الم نے اتنے صفحے اس طویل تقریر سے رنگین کرا دیے۔ دراصل وہ اذیت ناقابل بیان ہے جو ہمارے دل کو یہ دیکھ کر ہوئی کہ اسلام کے دو سچے خادموں کو ان کی وفات کے برسوں بعد کافر اور ملحد اور زندیق ٹھیرایا گیا ہے، حالانکہ ان میں سے ایک شخص وہ ہے جس نے عمر بھر تاریخ اسلام کی خدمت کی لاکھوں مسلمان اور غیر مسلموں کے دلوں میں اسلام کی گذشتہ عظمت کا سکہ بٹھایا، جس کی تحریروں سے ہزاروں بدعقیدہ مسلمان خوش عقیدہ ہو گئے، جس نے الفاروق، اور سیرۃ النبی لکھ کر تمام امت پر احسان کیا، جس کے دل میں اسلام کا ایسا درد تھا کہ جنگ طرابلس و بلقان کے موقع پر وہ نہ صرف خود تڑپا بلکہ اپنی نظموں اور تقریروں سے لاکھوں مسلمانوں کے دلوں میں بھی غیرت ایمانی کی تڑپ پیدا کر دی۔ دوسرا شخص وہ ہے جس نے مسلسل چالیس برس تک قرآن مجید کی خدمت کی، جس نے معارف قرآنی کی تحقیق میں سیاہ بالوں کو سفید کیا، جس کی تفسیروں سے عرب و عجم کے ہزاروں مسلمانوں میں تدبر فی القرآن کا ذوق پیدا ہوا، جس کی تحریروں کا ایک ایک لفظ گواہی دے رہا ہے کہ وہ قرآن کا عاشق ہے اور اس کے لفظ لفظ پر جان نثار کرتا ہے۔ اگر ایسے لوگ بھی مسلمان نہیں تو اس زمین پر ہم مسلمانوں کو کہاں تلاش کریں؟

یہ دونوں بزرگ کچھ غیر معروف نہ تھے۔ ان کے حالات سب کو معلوم ہیں۔ ان کی

زندگیاں سب کے سامنے تھیں۔ ان کے قلم سے نکلے ہوئے ہزاروں صفحات موجود تھے۔ ان سب پر نگاہ ڈال کر معلوم کیا جاسکتا تھا کہ ان کے دل میں ایمان تھا یا نہ تھا۔ زمانہ بھی ایسا نہیں کہ کوئی شخص نفاق کے ساتھ اظہار اسلام پر آمادہ ہو۔ اور اگر بالفرض اب بھی اس کا موقع ہو، تو منافقوں کا یہ کام تو نہیں ہے کہ تاریخ کے اوراق پارینہ میں سے اسلام اور مسلمانوں کی ایک ایک خوبی کو نکال کر چمکائیں یا قرآن مجید کے معارف وحقائق بیان کرکے ایک دنیا کو اس کا شیدائی بنانے کی کوشش کریں۔ یہ سب باتیں شبلی اور حمید الدین کے ایمان کا آفتاب سے زیادہ روشن ثبوت پیش کر رہی تھیں۔ مگر ہمارے مفتیوں کو ان میں سے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ ان کے سامنے چند فقرے شبلی کے اور چند فقرے حمید الدین کے پیش کیے گئے، بالکل اسی طرح جس طرح اس سے پہلے چند فقرے مولنا محمد قاسم کے اور چند فقرے مولنا اشرف علی کے بھی پیش کیے جاچکے ہیں۔ مفتیوں نے ان فقروں کو دیکھتے ہی بے تکلف حکم لگادیا کہ نہ صرف یہ فقرے موجب کفر ہیں بلکہ ان کے قائل قطعاً کافر، ملحد، زندیق، منکر خدا ورسالت، منکر قرآن، شاتم رسول، اور کعب بن اشرف کی سی سزا کے مستحق ہیں۔ اور جو ان کو ایسا نہ سمجھیں، اور ان سے بیزاری کا اظہار نہ کریں وہ بھی کافر ہیں۔ اور جو لوگ ان کے مشن کی مالی امداد کریں یا ان کے رسائل کو خریدیں یا ان کے مدرسے میں اپنے بچوں کو بھیجیں وہ فعل حرام کے مرتکب ہیں! اب پوچھیے کہ آخر اس فتوے کا فائدہ کیا ہے؟ اس کے سوا کچھ نہیں کہ علماء دیوبند اور جماعت ندوہ میں دشمنی پیدا ہو، مسلمانوں میں ندوہ اور دار المصنفین اور مدرسۃ الاصلاح کی طرف سے بدگمانی پھیلے۔ جو مفید کام مولانا شبلی اور مولنا حمید الدین رحمہما اللہ کے تلامذہ کر رہے ہیں اس کو نقصان پہنچے، اور اس خستہ حالی کے دور میں چند اللہ کے بندے ہر قسم کی مشکلات کا مقابلہ کرکے اسلام کی جو خدمت کر رہے ہیں اس کی مدد سے بھی مسلمان ہاتھ کھینچ لیں۔ کیسا مفید کام

ہے، کیسے ثواب کا کام ہے جو حاملین شریعت کے مبارک ہاتھوں سے انجام پایا ہے!۔

سب سے زیادہ رنج یہ دیکھ کر ہوا کہ اس گناہ عظیم کا ارتکاب معمولی پیشہ ور مولویوں نے نہیں بلکہ ہندوستان کے ان اکابر علماء نے کیا ہے جن کے علم و فضل اور تقویٰ و خشیت سے یہ امید کی جاتی تھی کہ وہ ایسے امر خطیر کا ارتکاب کرنے سے پہلے اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں گے، مثلاً مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اور مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند۔ ان حضرات نے مولانا شبلی اور مولانا حمید الدین کی تکفیر میں جس سہل انگاری سے کام لیا ہے اس سے تو یہ شبہہ ہوتا ہے کہ اب ایک مسلمان کی تکفیر ایک چیونٹی کو مار دینے سے بھی زیادہ سہل ہوگئی ہے۔ دو مرحوم مسلمانوں کو کافر ثابت کرنے کے لیے کم و بیش ۲۶ کتابوں کی تو ورق گردانی کی جاسکتی ہے، اور ان میں سے تقریباً دس صفحات کی عبارتیں بھی نقل کی جاسکتی ہیں، مگر اتنی زحمت نہیں اٹھائی جاسکتی کہ خود ان دونوں کی اصل تحریروں کو پڑھ کر ان کے سیاق و سباق اور موقع و محل سے ان کا مقصد اور ان کی نیت معلوم کرلی جاتی۔ معمولی فوجداری مقدمات میں بھی وہ لوگ جن کو خدا کے سامنے اپنی جواب دہی کا یقین نہیں ہے، کسی شخص کے مجرد فعل یا قول پر حکم نہیں لگاتے، بلکہ اس کے عام طرز عمل کو دیکھتے ہیں، اس کی سابقہ روش پر نظر ڈالتے ہیں، ان حالات کا لحاظ کرتے ہیں جن میں کوئی فعل کیا گیا ہو، اور اگر کوئی تحریر معرض بحث میں ہو تو پوری تحریر کو دیکھ کر اس کے مقصود و مدعا کی تحقیق کرتے ہیں۔ ازالۂ حیثیت عرفی، یا توہین عدالت، یا بغاوت کے معمولی مقدمات میں بھی کہیں یہ نہیں ہوتا کہ اصل تحریر سے الگ کرکے چند فقروں کو لے لیا جائے اور ان پر کوئی حکم لگایا جائے۔ مگر علمائے اسلام کا یہ حال ہے کہ دو مشہور مسلمانوں پر اسلامی قانون کی انتہائی سزا، دین و ایمان کی سزائے موت کا فتویٰ صادر کرنے بیٹھتے ہیں، اور مجرد چند فقروں

حکم لگا دیتے ہیں، حالانکہ وہ مسلمان غیر معروف نہیں ہیں، ان کے حالات معلوم کرنے کے کثیر ذرائع موجود ہیں جن کو دیکھ کر ان کے دین وایمان کا حال معلوم کیا جا سکتا ہے، خود وہ کتاب اور وہ رسالہ بھی بآسانی دستیاب ہو سکتا ہے جس سے وہ فقرے اخذ کیے گئے ہیں۔ کیا یہی عمل ہونا چاہیے ان لوگوں کا جو یقین رکھتے ہیں کہ ہم کو ایک روز اپنے خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے؟

مولانا شبلی کے جن فقروں پر کفر کا فتوی صادر کیا گیا ہے وہ ان کی کتاب "الکلام" سے ماخوذ ہیں۔ یہ کتاب تمام تر ملاحدہ اور مادہ پرستوں کے رد میں لکھی گئی ہے اور اس کا مقصد وجود باری، صفات باری، نبوت، اور جزا و سزائے آخرت کا اثبات ہے۔ مصنف نے یہ دیکھا کہ جدید فلسفہ و سائنس سے جو شکوک لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو رہے ہیں ان کو دور کرنے کے لیے قدیم علم کلام کے دلائل کافی نہیں ہیں اس لیے ایک نئے طرز پر علم کلام کو مرتب کرنا چاہیے اس غرض کے لیے انہوں نے "الکلام" تصنیف کی۔ اگرچہ ہم کو ان تمام باتوں سے اتفاق نہیں ہے جو انہوں نے اس کتاب میں لکھی ہیں۔ مگر پوری کتاب میں ایک بات بھی ایسی نہیں جس میں الحاد کا شائبہ بھی پایا جاتا ہو۔ بلکہ اس کو پڑھنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف پکا مومن ہے، اور ایسا مومن ہے جسے دوسرے مسلمانوں کے ایمان کو بچانے کی لگن لگی ہوئی ہے۔

کتاب کے پہلے باب کا عنوان ہے "علوم جدیدہ اور مذہب"۔ اس کی ابتدا ان فقروں سے ہوتی ہے:۔

"تمام دنیا میں غل مچ گیا ہے کہ علوم جدیدہ نے مذہب کی بنیاد متزلزل کر دی ہے، فلسفہ اور مذہب کے معرکے میں ہمیشہ اس قسم کی صدائیں بلند ہوتی رہی ہیں اور اس لحاظ سے یہ کوئی نیا واقعہ نہیں۔ لیکن آج یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ فلسفہ قدیمہ قیاسات

اور ظنیات پر مبنی تھا اس لیے وہ مذہب کا استیصال نہ کر سکا۔ بخلاف اس کے فلسفہ جدیدہ تمام تر تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی ہے اس لیے مذہب کسی طرح اس کے مقابلہ میں جانبر نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک عام صدا ہے جو یورپ سے اٹھ کر تمام دنیا میں گونج اٹھی ہے لیکن ہم کو غور سے دیکھنا چاہیے کہ اس دعویٰ واقعیت میں مغالطہ کا کس قدر حصہ شامل ہو گیا ہے" (الکلام صفحہ ۷)۔

اس کے بعد مصنف نے ثابت کیا ہے کہ علوم جدیدہ میں جو چیزیں قطعی اور یقینی ہیں وہ کسی حیثیت سے بھی مذہب کی مخالف نہیں ہیں۔ اور جو چیزیں مذہب کی مخالف ہیں وہ قطعی نہیں ہیں بلکہ ظنیات اور فلسفیانہ قیاسات ہیں جن کو یقینی کہنے کی جرأت خود اہل یورپ میں بھی نہیں۔ سائنس کی رو سے مذہب کے خلاف زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ یہی ہے کہ مذہب جن امور پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے ان کے متعلق تجربہ و مشاہدہ سے نفیاً یا اثباتاً کچھ نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ وہ حس اور مشاہدہ سے ماوراء ہیں لیکن کوئی سائنس داں "عدم علم" کے اعتراف سے آگے بڑھ کر یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ خدا نہیں ہے، یا فرشتے نہیں ہیں، یا نبوت اور وحی اور حشر کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس بحث کے سلسلہ میں مولانا لکھتے ہیں کہ

"یہ ہے ماہرین فن کی رائے، لیکن بعض کم درجہ کے مُدعین اپنی حد سے بڑھ کر نفی کا دعویٰ بھی کر بیٹھتے ہیں اور انہی کی ملمع کاریاں ہیں جس نے ہمارے ملک کے نوجوانوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا ہے" (الکلام صفحہ ۱۰)۔

کیا یہ کسی ملحد اور زندیق کے خیالات ہو سکتے ہیں؟

بعد کے ابواب میں مصنف نے ثابت کیا ہے کہ مذہب انسان کی فطرت میں داخل ہے مذہب اسلام عین فطری مذہب ہے، اس مذہب میں کوئی چیز عقل کے خلاف نہیں، اور عقل ہی کا

تقاضا ہے کہ اسلام کو قبول کیا جائے۔ اس کے بعد وجود باری کی بحث ہے جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ وجود باری کے اثبات میں جو طریقہ فلاسفہ اور متکلمین نے اختیار کیا ہے وہ محکم اور اطمینان بخش نہیں ہے۔ بہترین استدلال قرآن مجید کا ہے، اور موجودہ زمانے کے بڑے بڑے حکما بھی ذات باری کے جو قائل ہوئے ہیں، تو اسی طرز استدلال سے ہوئے ہیں نہ کہ منطقی دلائل سے۔

اس کے بعد مصنف نے ملاحدۂ قدیم وجدید کے اعتراضات نقل کیے ہیں اور ان کے جوابات دئے ہیں۔ اسی بحث کے چند فقرات نقل کر کے مولانا پر الزام لگایا گیا ہے کہ وہ ملحد ہیں۔ حالانکہ یہ فقرے دراصل ملاحدہ کے اعتراضات ہیں جن کو مولانا نے جواب دینے کی غرض سے نقل کیا ہے۔ باب کے عنوان ہی پر لکھا ہوا ہے کہ "ملاحدہ یعنی منکرین خدا کے اعتراضات" اس کے بعد ذیلی عنوان ہے "مادّیین کس بنا پر خدا کے قائل نہیں"۔ اس عنوان کے تحت ملاحدہ کے جو اقوال نقل کیے گئے ہیں ان کو مولانا کا اپنا عقیدہ قرار دینا نہ صرف ظلم بلکہ صریح افترا ہے۔ اس طریقہ سے تو متکلمین اسلام میں سے ہر ایک کو ملحد اور زندیق ثابت کیا جا سکتا ہے، کیونکہ سب نے دشمنوں کے اقوال نقل کیے ہیں۔ بلکہ امام رازی تو مخالفین کے دلائل اس قوت کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ شائد خود مخالفین نے بھی انھیں اتنی قوت کیساتھ پیش نہ کیا ہوگا۔ پھر ان کے متعلق علمائے اسلام کا کیا فتویٰ ہوگا؟

الکلام صفحہ ۴۲ سے ۴۹ تک کی جتنی عبارتیں استفتاء میں نقل کی گئی ہیں ان سب میں یہی جعل سازی کی گئی ہے کہ یا تو ملاحدہ کے اقوال کو مصنف کی طرف منسوب کیا گیا ہے، یا ان باتوں کو جنھیں مولانا نے استدلال کی غرض سے برسبیل تنزل تسلیم کر کے جواب دیا تھا، مولانا کا اصل عقیدہ قرار دے دیا گیا ہے۔ حالانکہ متکلمین میں یہ طریقہ شائع ہے کہ وہ بسا اوقات

معارضہ کی خاطر خصم کی کسی بات کو تسلیم کر کے اسی کے طریق پر اس کا جواب دیتے ہیں۔ اس کی بکثرت مثالیں انکے کلام سے نقل کی جا سکتی ہیں۔

مصنف کا اصل مسلک یہ ہے کہ عالم کے تغیر سے اس کے حدوث پر اور اس کے حدوث سے وجود باری کے وجوب پر جو استدلال متکلمین نے کیا ہے وہ کوئی قوی استدلال نہیں ہے۔ مادئین کے پر زور اعتراضات کے سامنے یہ دلائل نہیں ٹھیر سکتے۔ وجود باری پر بہترین استدلال وہی ہے جو قرآن میں اختیار کیا گیا ہے، یعنی پہلے انسان کی وجدانی شہادت کو اپیل کیا جائے اور پھر کائنات کے نظم اور اس کی حکیمانہ ترتیب کی طرف توجہ دلائی جائے۔ اسی سے خدا کا وجود بھی ثابت ہوتا ہے اور اس کی توحید بھی۔ اسی استدلال کی پیروی میں جدید زمانہ کے خدا پرستوں نے بھی تمام منطقی اور فلسفیانہ دلائل کو چھوڑ کر آثار فطرت کی ترتیب و نظم (Design in Nature) سے وجود باری پر استدلال کیا ہے جس کا جواب دینے سے ملاحدہ و مادئین عاجز ہیں۔ زمانۂ جدید کے بڑے بڑے حکما و فلاسفہ نے بھی اسی استدلال کے آگے سر جھکایا ہے۔ اس کی تفصیلی بحث الکلام میں دو مقامات پر ہے۔ ایک بحث کا عنوان ہے۔ "وجود باری پر قرآن مجید کا طریقہ استدلال" (صفحہ ۲۵ تا ۳۹) دوسری بحث کا عنوان ہے "ملاحدہ کے اعتراضات کا جواب" (صفحہ ۵۴ تا ۶۲) ان دونوں بحثوں کو دیکھیے اور اپنے ضمیر سے پوچھیے کہ کیا یہ شخص مادے کی قدامت کا قائل ہے؟ کیا اس کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا خالق کائنات نہیں ہے؟ کیا وہ کہتا ہے کہ لوازم انواع خود بخود پیدا ہو گئے اور خلق عالم میں خدا کا کچھ دخل نہیں؟ کَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ۔

نبوت کے بارے میں مرحوم مظلوم پر یہ بہتان تراشا گیا ہے کہ وہ نبوت کو ایک اکتسابی چیز مانتے تھے اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ قوائے عقلیہ میں ترقی کرتے کرتے انسان نبوت کے

درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ ایسا کھلا ہوا جھوٹ ہے کہ شاید ہی کوئی بڑے سے بڑا کذاب اس کی جرأت کرسکتا ہو۔ مولانا نے نبوت کی بحث میں تمام تر جو کچھ لکھا ہے امام رازی کی مطالب عالیہ، شاہ ولی اللہ صاحب کی حجۃ اللہ البالغہ، امام غزالی کی معارج القدس، اور ابن حزم کی ملل ونحل سے منقول ہے۔ ان کی عبارتیں نقل کرکے مولانا خود اپنی رائے اس طرح ظاہر کرتے ہیں:۔

"خدا نے انسان کو جس طرح اور مختلف قوتیں عطا کی ہیں جو بعض افراد میں بالکل نہیں پائی جاتیں اور بعض میں متفاوت درجات پائی جاتی ہیں، اسی طرح ایک روحانی قوت بھی عطا کی ہے جس کا نام قوت قدسیہ یا ملکۂ نبوت ہے۔ یہ قوت تزکیۂ نفس اور پاکیزگی اخلاق سے تعلق رکھتی ہے۔ جس شخص میں یہ قوت موجود ہوتی ہے وہ اخلاق میں کامل ہوتا ہے اور اپنے اثر سے اور انسانوں کو کامل بنا سکتا ہے۔ یہ شخص کسی سے تعلیم و تربیت نہیں پاتا بلکہ بغیر تعلیم و تعلم کے اس پر حقائق اشیا منکشف ہوجاتے ہیں۔

"نبوت کی اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا جب یہ بات بداہۃً نظر آتی ہے کہ ایک شخص کچھ پڑھا لکھا نہیں ہوتا (مثلاً ہومر اور امراء القیس) اور باوجود اس کے اس درجہ کا فصیح و بلیغ، شاعر یا خطیب، یا صناع یا موجد ہوتا ہے کہ تمام زمانہ میں اس کا جواب نہیں ہوتا، تو کیا یہ بعید ہے کہ خدا بعض افراد کو اس قسم کی قوت قدسیہ عطا کرے کہ ان پر بغیر تعلیم و تعلم کے اخلاق کے حقائق و اسرار منکشف ہوجائیں۔ کون اس سے انکار کرسکتا ہے کہ اکثر انبیا، مثلاً حضرت ابراہیمؑ، حضرت عیسیٰؑ، اور جناب رسالت پناہ نے علوم و فنون کی مطلق تعلیم نہ پائی تھی اور باوجود اس کے صرف ہدایت و تلقین کی تاثیر سے دنیا کی حالت بدل دی، اور فلسفۂ اخلاق کے وہ اصول

اور مسائل تعلیم کیے کہ فلاطون اور ارسطو کا خیال بھی وہاں تک نہ پہنچ سکتا تھا" (الکلام صفحہ ۱۰۲ - ۱۰۳)۔

پھر "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت" کا عنوان قائم کر کے اس کے نیچے لکھتے ہیں:

"نبی کی حقیقت جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اجزائے ذیل سے مرکب ہے۔ خود کامل ہو۔ دوسروں کو کامل کر سکتا ہو۔ اس کے علوم و معارف اکتسابی نہ ہوں بلکہ منجانب اللہ ہوں۔ یہ تمام باتیں جس کمال کے ساتھ آپ کی ذات مبارک میں موجود تھیں کیا ابتدائے آفرینش سے آج تک اس کی کوئی نظیر مل سکتی ہے؟ (الکلام صفحہ ۱۳۰)۔

پھر لکھتے ہیں۔

"اب ہم تفصیل کے ساتھ دکھاتے ہیں کہ عقائد، عبادات، اخلاق، معاشرت کے متعلق آنحضرت نے جو اصول اور مسائل وحی کے ذریعہ سے تلقین فرمائے وہ اس قدر کامل اور اعلیٰ درجہ کے ہیں کہ کسی حکیم اور مقنن کے خیال میں نہیں آئے اور بغیر وحی الٰہی کے کسی کے خیال میں آ ہی نہیں سکتے۔ (الکلام صفحہ ۱۳۳)

غور سے پڑھیے اور بار بار پڑھیے وہ شخص جس کے قلم سے یہ الفاظ نکلے ہیں، کیا یہ وہی شخص ہے جو نبوت کو اکتسابی چیز مانتا ہے؟۔

معجزات کے متعلق مولانا کی ایک عبارت نقل کر کے ان پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ وہ سرے سے معجزے کے صدور ہی کو غیر ممکن، اور خدا کو اعجاز سے عاجز سمجھتے ہیں۔ یہ کھلا ہوا افترا ہے۔ مولانا نے دراصل اشاعرہ کے اس اعتقاد کی تردید کی ہے کہ معجزہ دلیل نبوت ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے جتنے دلائل نقل کیے ہیں، سب کے سب امام رازی کی مطالب

عالیہ سے منقول ہیں۔ مولانا کا اصل مقصود یہ ہے کہ اگر نبوت کے لیے صرف معجزہ ہی کو دلیل اور ذریعۂ شناخت قرار دیا جائے تو اس سے کسی نبی کی نبوت ثابت کرنا مشکل ہے۔ رہی یہ بات کہ مولانا خود معجزات کے قائل ہیں یا نہیں، تو اس کے لیے الکلام کے پورے پندرہ صفحات بہترین شہادت دے سکتے ہیں۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن میں خارق عادت واقعات مذکور ہیں۔ وہ صاف کہتے ہیں کہ قرآن کے ان بیانات کی ایسی تاویل کرنا درست نہیں ہے جن سے یہ واقعات خارق عادت نہیں بلکہ مطابق عادت قرار پائیں۔ ان کے نزدیک معجزات کا انکار "ہٹ دھرمی" ہے (الکلام صفحہ ۱۱۵) وہ تفصیل کے ساتھ منکرین کے دلائل نقل کرکے ان کی تردید کرتے ہیں، اور جدید زمانہ کے تجربات سے خرق عادت کا نہ صرف امکان بلکہ وقوع ثابت کرتے ہیں (الکلام صفحہ ۱۱۶ تا ۱۲۶) ان سب باتوں کے بعد وہ لکھتے ہیں:۔

"قرآن مجید چونکہ قطعی الثبوت ہے اس لیے اس میں جہاں خرق عادت کا ذکر ہوگا واجب التسلیم ہوگا لیکن پہلے یہ امر نہایت غور اور دقّتِ نظر سے طے کرنا پڑے گا کہ فی الواقع قرآن مجید کے الفاظ اس کے ثبوت میں قطعی الدلالۃ ہیں یا نہیں؟ مفسرین میں جو محقق گذرے ہیں مثلاً قفال، ابومسلم اصفہانی، ابوبکر اصم وغیرہ ان کی تحقیقات کے مطابق قرآن مجید میں بہت کم خرق عادات مذکور ہیں اور جو واقعی مذکور ہیں اُن کی صحت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے" (صفحہ ۱۲۹-۱۳۰)۔

کیا یہ وہی شخص ہے جس کو معجزات کا منکر کہا جاتا ہے؟

عذاب و ثواب آخرت کے متعلق مولانا کی ایک نامکمل عبارت نقل کرکے ان پر الزام لگایا گیا ہے کہ وہ حقیقت جنت و دوزخ کے منکر ہیں۔ یہ عبارت الکلام کے صفحہ ۱۳۹ سے

نقل کی گئی ہے مگر اسی سے متصل امام غزالی کی کتاب المضنون بہ علیٰ غیر اہلہ سے جو عبارت مولٰنا نے نقل کی تھی اس کو بے تکلف چھوڑ دیا گیا۔ کیونکہ مقصود بالذات تو شبلی کی تکفیر ہے، اب اگر بالتبع غزالی کی تکفیر بھی آپ سے آپ ہو جائے تو کچھ مضائقہ نہیں! یہ حال ہے ان لوگوں کی جرأت کا اور یہ حال ہے ان کی دیانت کا۔

الکلام میں جزا و سزا کی بحث تمام تر ملاحدہ کے ان اعتراضات کو رفع کرنے کے لیے کی گئی ہے جو ان کی طرف سے عذاب و ثواب اور جنت و دوزخ پر کیے جاتے ہیں۔ ملاحدہ کہتے ہیں کہ خدا کو تم نے انسان کے سے جذبات رکھنے والا وجود فرض کیا ہے جو نافرمانی پر غصہ میں آجاتا ہے اور انتقام لیتا ہے، اور فرمانبرداری پر خوش ہو جاتا ہے اور انعام دینے لگتا ہے۔ مولانا اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ عذاب و ثواب کی حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ طاعت کا فطری نتیجہ ثواب ہے اور عصیان کا فطری نتیجہ عقاب ہے۔ اس کے ثبوت میں وہ قرآن مجید کی آیات پیش کرتے ہیں اور ان کی وہ تفسیر نقل کرتے ہیں جو امام غزالی نے جواہر القرآن میں لکھی ہے۔ یہ پوری بحث الکلام میں صفحہ ۱۳۹ سے ۱۴۳ تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس کو غور سے پڑھیے اور فیصلہ کیجیے کہ یہ خیالات کسی کافر و زندیق کے ہیں یا کسی مسلم مومن بالقرآن کے؟

ایک "زندیق" کے اصل عقاید آپ کو معلوم ہو چکے۔ اب دوسرے "زندیق" کی فرد قرارداد جرم دیکھیے۔

مولٰنا حمید الدین مرحوم کی جن عبارتوں پر فتویٰ دیا گیا ہے وہ دراصل ان کی ایک ناتمام یادداشت سے منقول ہیں۔ مولٰنا نے قرآن مجید کا ترجمہ شروع کیا تھا۔ اس کام کے دوران میں جو خیالات ان کے ذہن میں آئے ان کو منتشر طور پر انھوں نے قلم بند کر لیا۔ ان کی وفات کے بعد یہ مسودہ ان کے شاگرد مولانا امین احسن اصلاحی کے ہاتھ آیا اور انھوں نے الاصلاح میں اسے شائع کر دیا

ابتداء میں خود امین احسن صاحب نے یہ تنبیہی نوٹ بھی لکھدیا ہے کہ

"یہ نا تمام حالت میں ہے اسلیے کہیں کہیں عبارت چھوٹی ہوی ہے بعض جگہ سخت ابہام ہے۔ ناظرین غور سے ملاحظہ فرمائیں"

اب یہ معلوم ہو جانے کے بعد بھی کہ یہ ایک شخص کا مرتب مضمون نہیں ہے، بلکہ غیر مرتب اشارات کا مجموعہ ہے، جس میں عبارتیں چھوٹی ہوی ہیں اور بعض جگہ سخت ابہام بھی ہے، اس کی عبارتوں کو نقل کرنا اور ان سے اس شخص کے عقائد پر استدلال کرنا کھلا ہوا ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔ قرآن کے متعلق مولانا حمید الدین کے اصلی خیالات انکے بکثرت مضامین اور رسائل میں موجود ہیں، ان سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ وہ قرآن اور اس کے نظم اور اس کی ترتیب، اور اس کے اعجاز کے متعلق کیا خیالات رکھتے تھے۔ مگر ان چیزوں میں سے کسی چیز کو نہیں دیکھا جاتا۔ استناد کیا جاتا ہے چند منتشر جملوں سے، اور ان کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ وہ قرآن پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور خود حق تعالیٰ پر طعن کرتے ہیں اس لیے کافر و زندیق ہیں، شاتم رسول ہیں، اور اسی سزا کے مستحق ہیں جو کعب بن اشرف کو دی گئی تھی! کیا اسی کا نام تقویٰ ہے؟ یہی اللہ سے ڈرنے والوں کی شان ہے؟

تمام اکابر اسلام کا طریقہ یہ رہا ہے کہ اگر کسی مسلم کی زبان سے کوئی ایسا فقرہ نکل جائے جس میں کفر کا شبہہ ہوتا ہو تو دیکھنا چاہیے کہ اس کلام کا کوئی صحیح محمل بھی ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اور اگر معلوم ہو کہ اس کا ایک صحیح محمل بھی ممکن ہے تو حسن ظن سے کام لے کر یہی سمجھنا چاہیے کہ قائل کا مقصود دراصل وہی ہوگا نہ کہ کفر۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا حمید الدین نے جو باتیں لکھی ہیں ان سب کے صحیح محمل بھی موجود ہیں، ان کے تلامذہ ان کے کلام کی تشریح کر رہے ہیں، خود ان کی

سابق تحریروں سے بھی انکے اصل مدعا پر روشنی پڑتی ہے، اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ قرآن پر نہ صرف ایمان رکھتے تھے بلکہ اسکے لفظ لفظ سے انکو عشق تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ انکے چند مبہم فقروں کو دیکھ کر ہم یہ رائے قائم کرلیں کہ ان کی نیت قرآن پر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور خود اللہ تعالیٰ پر طعن کرنے کی تھی کیا شرح مقاصد اور شرح فقہ اکبر اور شرح الشفاء میں کہیں یہ بھی لکھا ہے کہ مسلمان کو کافر ہی بنانے پر اصرار کرو، اور اگر اسکی کوئی بات دو معنوں پر محتمل ہو تو صرف اسی احتمال پر زور دو جس سے اس کا کفر ثابت کیا جاسکے۔

اس تمام بحث سے ہمارا مقصد علمائے کرام پر طعن کرنا نہیں ہے۔ ہم ان سب بزرگوں کا دل سے احترام کرتے ہیں۔ مگر تحقیق سے ہم کو معلوم ہوچکا ہے کہ انہوں نے تکفیر کے اس فتوے میں سخت غلطی کی ہے۔ ایک گناہ عظیم کا ارتکاب کیا ہے۔ نہایت بے احتیاطی سے کام لیا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ اس بار گراں کو لیے ہوے وہ خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور اس عدالت میں ان کی رسوائی ہو۔ اس لیے ہم ان پر انکی غلطی واضح کردینا چاہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان کو توبہ اور تلافی مافات کی توفیق عطا فرمائے، اور ایسا نہ ہو کہ دنیا کی جھوٹی عزت کا خیال انھیں اعتراف گناہ سے باز رکھے۔ اس کے ساتھ ہم یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ اُن ظالموں کو بھی توبہ کی توفیق بخشے جنہوں نے محض اپنی ذاتی اغراض کے لیے دو مرحوم مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ لگوانے کی کوشش کی اور ان کی عبارتوں کو غلط طریقہ سے پیش کرکے علمائے کرام کو دھوکہ دیا۔ خدا ان کی نیتوں کو پاک فرمائے اور انہیں صداقت اور دیانت کے ساتھ کسب حلال کی توفیق دے۔